انتخابات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف تمام غیر لیگی عناصر مل کر مسلم لیگ کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کی وطنی تحریک مسلمانوں پر زبردستی مسلط ہو کے رہ جائے گی۔ دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان دونوں کا فیصلہ رائے دہندوں کے ووٹ پر منحصر ہے۔ ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں؟ یا خاموش بیٹھے رہیں؟ یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں؟

جواب:۔ آپ کے ذہن پر ملک کے موجودہ سیاسی حالات کا غلبہ ہے اس لیے آپ کو صرف دو ہی فتنے نظر آئے جن میں ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں، حالانکہ اگر آپ ذرا وسیع نگاہ سے دیکھتے تو ان دو فتنوں کے علاوہ آپ کو اور بہت سے اخلاقی، فکری، تمدنی، مذہبی اور سیاسی و معاشی فتنے نظر آتے جو اس وقت مسلمانوں پر ہجوم کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایک فطری سزا ہے جو اللہ کی طرف سے ہر اس قوم کو ملا کرتی ہے جو کتاب اللہ کی حامل ہونے کے باوجود اس کے اتباع سے منہ موڑے اور اس کے منشا کے مطابق کام کرنے سے جی چرائے۔ اس سزا سے اگر مسلمان کبھی بچ سکتے ہیں تو وہ صرف اس طرح کہ اپنے اس اصلی و بنیادی جرم سے باز آجائیں جس کی پاداش میں ان پر یہ فتنے مسلط ہوئے ہیں اور اس کام کے لیے کھڑے ہو جائیں جس کی خاطر انھیں کتاب اللہ دی گئی تھی۔ لیکن اگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں تو پھر جو تدبیریں چاہیں کر کے دیکھ لیں یقین جانیے کہ کسی ایک فتنہ کا بھی سدباب نہ ہوگا بلکہ ہر تدبیر چند اور فتنے قائم کر دے گی۔

آپ نے جو سوال ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس کے متعلق میں دو باتیں واضح طور پر عرض کیے دیتا ہوں تاکہ آپ کے اور آپ کی طرح سوچنے والے اصحاب کو آئندہ اس سلسلہ میں کوئی الجھن نہ پیش آئے۔

اول یہ کہ ہماری جماعت کے مقصد قیام کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ یہ جماعت کسی ملک یا قوم کے وقتی مسائل کو سامنے رکھ کر وقتی تدابیر سے ان کو حل کرنے کے لیے نہیں بنی ہے، اور نہ اس کی بنائے قیام یہ قاعدہ ہے کہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے جس وقت جو اصول بھی چلتے نظر آئیں ان کو اختیار کر لیا جائے۔ اس جماعت کے سامنے تو صرف ایک ہی عالمگیر اور ازلی و ابدی مسئلہ ہے جس کی لپیٹ میں ہر ملک اور ہر قوم کے سارے وقتی مسائل آجاتے ہیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کس چیز میں ہے؟ پھر اس مسئلے کا ایک ہی حل اس جماعت کے پاس ہے، اور وہ یہ ہے کہ تمام بندگان خدا (جن میں ہندوستان کے مسلمان بھی شامل ہیں) صحیح معنوں میں خدا کی بندگی اختیار کریں اور اپنی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے سارے پہلوؤں سمیت ان اصولوں کی پیروی میں سپرد کر دیں جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں اس مسئلے اور اس کے اس واحد حل کے سوا دنیا کی کسی دوسری چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے اور جو شخص بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہتا ہو اسے لازم ہے کہ ہر طرف سے نظر ہٹا کر پوری جمعیت خاطر کے ساتھ اس شاہراہ پر قدم جمائے چلتا رہے۔ اور جو شخص اتنی ذہنی و عملی یکسوئی بہم نہ پہنچا سکے، جس کے ذہن کو اپنے ملک یا اپنی قوم کے وقتی مسائل بار بار اپنی طرف کھینچتے ہوں اور جس کے قدم بار بار ڈگمگا کر ان طریقوں کی طرف پھسلتے ہوں، جو دنیا میں آج رائج ہیں، اس کے لیے زیادہ مناسب یہ ہے کہ پہلے ان ہنگامی تحریکوں میں جا کر اپنا دل بھر لے۔

دوم یہ کہ ووٹ اور الکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو، بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنا پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے تحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔ یہ ایک اصولی معاملہ ہے جس کا تعلق عین ہمارے ایمان اور ہمارے اساسی عقیدے سے ہے۔ اگر ہندوستان کے علماء اور عامۂ مسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہیں اور وقتی مصلحتیں ان کے لیے مقتضیاتِ ایمانی سے اہم تر بن گئی ہیں تو اس کی جوابدہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے کریں گے۔ لیکن ہم کسی فائدے کے لالچ اور کسی نقصان کے اندیشے سے اس اصولی مسئلے میں موجودہ نظام کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت نہیں کر سکتے۔ آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے آخر ہم کس طرح انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں؟ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کرنے کو شرک قرار دیں اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے ان لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لیے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں؟ اگر ہم اپنے عقیدے میں صادق ہیں تو ہمارے لیے اس معاملہ میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدائی ہے اور قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونی چاہیے۔ جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے۔

مطبوعات ذیل چھپ کر مکتبہ میں پہنچ چکی ہیں

دینیات۔ قسم اول ۸؍ قسم دوم عہ تفہیمات ہے
خطبات " عہ " ۱۲؍ مسئلہ جبر و قدر عہ

زیر طبع مطبوعات

مسئلہ قومیت تنقیحات سیاسی کشمکش حصہ سوم مذہب کا انقلابی تصور
ہیگل مارکس اور نظام اسلام۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں۔ روداد جماعت اسلامی حصہ اول۔ اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر۔
دین حق

مطبوعات

النظر فی الحدیث:۔ تالیف مولانا ابوسعید صاحب جھکاوی۔ ضخامت ۲۲۲ صفحات۔ قیمت دو روپے ۸ آنے

ملنے کا پتہ:۔ انجمن حزب الاسلام، مقام و ڈاک خانہ مصطفیٰ آباد۔ ضلع سارن (بہار)

یہ کتاب اصول حدیث سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں علمائے محققین کی تصانیف سے مدد لیتے ہوئے موضوع سے متعلق تمام مباحث پر مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ دین میں حدیث کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی تدوین کی تاریخ کیا ہے اور اس تدوین کا طریقہ کیا رہا ہے؟ روایت اور درایت کے اصول کیا ہیں؟ راویوں اور کتب احادیث کے کتنے طبقات و مدارج ہیں؟ مسلمانوں کے مختلف فرقے اختلافی مسائل میں حدیث کی کن اور کس درجہ کی کتابوں سے اپنے مذہب کے حق میں استدلال کرتے ہیں؟ "تمسک بالحدیث" کے بارے میں لوگوں نے کس افراط و تفریط سے کام لیا ہے اور صحیح و معتدل راہ کون سی ہے؟

مصنف نے ان تمام مباحث پر بالکل غیر جانبدارانہ اور آزادانہ نظر ڈالی ہے اور تحزب سے بالاتر ہو کر خالص علمی اور تحقیقی انداز بحث اختیار کیا ہے جس میں اجتہاد فکر کی جھلک بھی موجود ہے اور اس حقیقت کو واضح کرنے کی ایک حد تک کامیاب کوشش کی ہے کہ "باوجود ان تمام ممکن احتیاطوں اور تدبیروں کے جو محدثین کرام نے تنقید حدیث میں اختیار کیں، یہ دعویٰ کرنا عقل عام اور تجربہ کے خلاف اور بشری فہم و نظر کے منتہائے دسترس سے ناواقفیت کا ثبوت ہے کہ ان کی رائے اور تحقیق بس آخری چیز ہے اور اب ہم کو آنکھیں بند کر کے ان کے مندرجات کو فرامین رسول تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہ محدثین اپنی تمام تر احتیاط، تحقیق، دیانت اور جلالت شان کے باوجود بہر حال انسان ہی تھے اور ان کی حیثیت فن حدیث کے 'مجتہد' سے زیادہ نہیں اور مجتہد کی تعریف ہی یہ ہے کہ قد یخطی و یصیب، کبھی وہ غلطی کر جاتا ہے اور کبھی صحیح رائے قائم کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صحیح بخاری کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، بالکل بے معنی ہوتا۔ چنانچہ علمائے سلف میں سے بعض محققین کی تحقیق کہ صحیحین میں بھی تقریباً دو سو حدیثیں ضعیف ہیں اس امر واقعہ پر ایک برہان جلی ہے۔"

اس سلسلہ میں وہ بحث جو صحابہ کرام کی عدالت سے متعلق ہے، بڑی حقیقت افروز ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ 'الصحابۃ کلھم عدول' کا قول اور اصول بالکل درست ہے مگر اندھی عقیدت میں مبتلا ہو کر لوگوں نے اس کے اصل مفہوم کو اس کی حدود سے متجاوز کر دیا ہے۔ صحابہ کے راست باز ہونے میں کلام نہیں مگر دیانت اور راست بازی کسی طرح بھی فہم کامل، تفقہ اور ضبط الفاظ و معانی کو مستلزم نہیں۔ اسی طرح اصول درایت پر جو کچھ لکھا گیا ہے، بحیثیت مجموعی بہت خوب ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان اصولوں میں اسلام کی اصولی دعوت اور اس کے مزاج کو بھی ایک اصول اور معیار ٹھیرایا جائے اور جو احادیث اس معیار پر